''دینِ الٰہی'' کا تحقیقی مطالعہ

—————— مولانا محمد شمیم اختر قاسمی

یہ امر کسی مستند تاریخی حوالے سے متحقق نہیں ہے کہ مغل شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر[۱] نے اسلام کی ضد میں ایک نئے دین 'دینِ الٰہی'[۲] کی بنا ڈالی اور پورے ملک میں اس کو رواج دیا۔ اکبر کے درباری مورخ ملا عبدالقادر بدایونی[۳] اور ابوالفضل[۴] نے جو تاریخ لکھی ہے، اس میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ اکبر نے جو طریقہ ہندوستان میں رائج کرنا چاہا اور جس کے لیے اس نے باضابطہ لوگوں کو مرید بھی کیا، اسے دونوں مؤرخوں نے آئین رہ نمونی[۵] ارادت، مریدی، روش اور اخلاص[۶] وغیرہ کا نام دیا ہے۔ بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔[۷] ابوالفضل نے اکبر کے دینی عقائد وعبادات کے بیان میں ابہام واجمال سے کام لیا ہے، جب کہ بدایونی کے یہاں تفصیل ملتی ہے، جو بظاہر مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ فرشتہ[۸]، نورالحق محدث[۹] اور دوسرے مؤرخین نے بھی جو جہاں گیر[۱۰] کے عہد میں رہے، اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔[۱۱] خافی خاں مصنف منتخب اللباب کے بیان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر کے مذہبی معاملات کے سلسلہ میں بدایونی نے حد درجہ غلو کیا ہے اور اسے ایک نئے دین کا بانی ٹھہرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عبدالقادر مؤلف تاریخ بدایونی بادشاہی امام دربار کا عالم اور مقربِ بارگاہ تھا، دینی عقائد کے سلسلہ میں اسی عہد کے دوسرے علماء کی طرح اس کو بھی شیخ مبارک کے بیٹوں شیخ فیضی اور شیخ ابوالفضل سے اختلاف تھا۔ یہ دونوں بھائی بادشاہ کے محرم راز اور مقرب خاص تھے۔ بدایونی نے اپنی تاریخ میں ان دونوں بھائیوں اور انہی کے ساختہ پرداختہ درباریوں کے خلاف، جو بادشاہ کے پاس بڑے دخیل ہو گئے تھے، یہ الزام لگایا

کہ ان کے بعض خیالات عقیدۂ اسلام کے خلاف ہیں، اسی طرح اس نے خود اکبر (عرش آشیانی) کے بارے میں چند ناگفتنی اور نانوشتنی کلمات لکھے ہیں جنھیں عقل کسی طرح قبول نہیں کر سکتی''۔[۱۲]

خافی خاں نے بدایونی کے اس بیان کی بھی تغلیط کی ہے کہ مرزا عزیز کوکہ[۱۳] اور بادشاہ کے درمیان خط و کتابت ہوئی جس میں کوکہ نے بادشاہ کو سخت سست لکھا اور اسے گم راہ ٹھہرایا، یہاں تک کہ یک نئے دین کے بانی مبانی ہونے پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔[۱۴]

شیخ محمد اکرام کی کتاب 'رودِ کوثر' کے اندراجات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے 'دینِ الٰہی' نام سے کوئی نیا مذہب ایجاد نہیں کیا تھا، بلکہ اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اسے ایک روش یعنی طریقہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری نظر سے بدایونی کی کوئی ایسی تحریر نہیں گزری جس میں اس نے دینِ الٰہی کو اکبر یا ابوالفضل سے منسوب کیا ہو، زیادہ سے زیادہ اس نے یہ کہا ہے: ''و روش خود را بہ توحید الٰہی موسوم ساختند'' (اپنی روش کو توحید الٰہی سے موسوم کیا)۔ ابوالفضل نے سب احکام کے لیے 'آئین رہ نمونی' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ اکبری احکام کے لیے 'دینِ الٰہی' کی ترکیب شاید پہلی مرتبہ ''دبستانِ مذاہب'' میں اکبر کی وفات کے کوئی ساٹھ ستر سال بعد استعمال ہوئی۔ غلام حسین طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین نے بھی بعد میں 'مذہب الٰہی' کی ترکیب بے تعصبی اور طریقۂ 'صلح کل' کے معنوں میں استعمال کی۔[۱۵] اس کے بعد شیخ اکرام نے اس بنیادی غلطی کی عقدہ کشائی کی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے طریقہ اور روش کے بجائے 'دینِ الٰہی' کا نام دے کر عوام میں مشہور کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''لیکن جب اکبر کے متعلق معاصرانہ مواد اس قدر موجود ہے، اسے نظر انداز کر کے بعد کے ایک اہلِ قلم کی تحریر کو، جس کی اصل حال سے کوئی ذاتی واقفیت نہ تھی، اہمیت دینا فن کے خلاف ہے، بلاک مین نے سہو سے یا عیاری سے آئینِ اکبری کے پہلے انگریزی ایڈیشن میں طریقہ اور روش کا ترجمہ 'دین الٰہی' کیا، جو بعد کی درسی کتابوں

میں رائج ہوکر مسلمات کی حیثیت اختیار کر گیا — ہمارے خیال میں کوئی وجہ نہیں کہ بلاک مین کی پیروی کی جائے اور ایک غلط فہمی یا غلط نمائی کو برقرار رکھا جائے۔ اکبر کے آئین و احکام کو اکبر اور ابوالفضل ہی نہیں، بدایونی بھی دین نہیں، روش یعنی طریقہ کہتا ہے، یہ ایک مذہب نہ تھا، ارادت وعقیدت کا سلسلہ تھا جس کی بنیاد ماننے والوں کی کم زوریوں یعنی طمع اور خوشامد اور رائج کرنے والے کی خود فریبی و خود پسندی پر قائم تھی"۔ ۱۶

معلوم ہونا چاہیے کہ بادشاہ کے حرم میں ہندو رانیاں ۱۷ بھی داخل تھیں، جن کا اثر و رسوخ دربار میں بڑھا ہوا تھا اور ان کے طفیل بہت سی دوسری ہندو رانیاں، جو ان کی سہیلی تھیں، دربار میں اکثر و بیشتر ان کے ساتھ رہتی سہتی تھیں ۱۸ اور انہی کی وجہ سے بہت سے ہندو امراء نہ صرف اکبر کے رشتہ دار ہوئے، بلکہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے، جن کی قربت اور خواہش کا پاس کر کے بعض اوقات بادشاہ ہندوانہ رسم بھی ادا کرتا تھا۔ ۱۹ بدایونی نے بھی اپنی تاریخ میں آگے چل کر اس بات کی صراحت کی ہے کہ اکبر نے جو طریقہ اسلام کی ضد میں اختیار کیا وہ کفار ہند میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ مگر تاریخ سے اس بات کا کہیں پتا نہیں چلتا کہ بادشاہ نے جو طریقہ ایجاد کیا تھا سوائے بیربل ۲۰ کے کسی اور ہندو امیر یا مقربین میں سے کسی نے قبول کیا ہو۔ اسی وجہ سے بادشاہ کے مریدوں کی تعداد انیس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ راجپوت راجاؤں نے بھی اکبر کے نئے مذہب کو قبول نہیں کیا۔ جب اکبر نے اپنے طریقہ کے متعلق امراء کبار سے مشورہ کیا تو مخالفت کرنے والوں میں امیر الامراء راجہ بھگوان داس ۲۱ بھی تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ ہم یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں مذہبوں میں خرابیاں موجود ہیں، لیکن یہ تو بتایا جائے کہ ان سے بہتر فرقہ کون سا ہے، تاکہ ہم اس کے قائل ہوسکیں۔ ۲۲ کچھ دنوں بعد جب راجا مان سنگھ ۲۳ کو بہار کا گورنر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو اکبر نے اسے خلوت میں بلایا اور اس کے ساتھ ہم دردی اور شفقت سے پیش آنے کے بعد کہا کہ میری مریدی قبول کرلو۔ اس نے جواب دیا: "حضور، اگر مریدی سے مراد جاں نثاری ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں، امتحان کی حاجت

نہیں۔ اگر حضور کی مراد مذہب سے ہے تو ہندو ہوں، فرمائیے، مسلمان ہوجاؤں، دوسرا راستہ مجھے معلوم نہیں کون سا ہے کہ اختیار کروں''۔ ۲۴ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو امرا اور عوام بھی بادشاہ کے اس رویہ سے خوش نہ تھے۔

ان بیانات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ بادشاہ نے کوئی نیا مذہب نہیں، بلکہ ایک طریقہ اختیار کیا تھا جسے بالخصوص مسلمانوں میں کچھ لوگوں نے طمع و حرص میں قبول کیا، مگر وہ اندر سے اس سے خوش نہ تھے اور نہ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض لوگوں نے اسے ایک مذہب کی حیثیت سے قبول کیا تھا تو پھر انھیں دین اسلام سے خارج سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ بدایونی کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ جن لوگوں نے بادشاہ کے طریقہ کو قبول کیا انھوں نے ترکِ اسلام نہیں کیا اور احکامِ اسلام پر عامل رہے۔ مثلاً ملتان کے مشہور بزرگ حضرت موسیٰ پاک شہید بھی رسمی طور پر بادشاہ کے مریدوں میں شامل ہوگئے تھے۔ ۲۵ اس کے بعد بدایونی موسیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: اگر شیخ موسیٰ بادشاہ کے حضور میں ہوتے اور نماز کا وقت ہوجاتا تو وہ دیوان خانہ خاص و عام میں اذان دے کر نماز شروع کردیتے اور کوئی انھیں کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ ۲۶ بعد کے عہد میں موسیٰ شہید کے ایسے واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں۔

اکبر کے مذہبی خیالات کے متعلق شروع سے اختلاف رہا ہے۔ ایک جماعت اس بات پر مصر ہے کہ بادشاہ نے دین اسلام کی ضد میں اپنا ایک نیا دین بنایا اور خود کو نبوت کے مرتبہ پر پہونچادیا، جب کہ دوسرے گروہ نے اس نظریہ سے کلی طور پر انکار کیا ہے اور اسے مکمل 'صلح کل' کا حامل بتایا ہے، جو کہ درست نہیں ہے، ان لوگوں نے تحقیق و جستجو سے کام نہ لیا اور صرف بدایونی اور مصنف دبستانِ مذاہب کے اندراج کو کافی سمجھا۔ اگر بالفرض بدایونی کے اندراجات کو ہی دلیل بنایا جائے تو اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بادشاہ نے ایک نئے دین کا اختراع کیا اور مدعیٔ نبوت ہوا، بلکہ اس سے صرف اتنا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک طریقہ ایجاد کیا جو اسلام سے متضاد تھا۔

دراصل مسئلہ کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ انگریز مورخین نے اکبر کے مذہبی رجحانات کو کتر بیونت کر کے عوام میں پیش کیا، اسے بہت سے لوگوں نے قبول کرلیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا محققانہ تبصرہ غلط فہمی کا ازالہ کرتا ہے، وہ اپنی کتاب The Muslim Community of the Indo Pakistan Subcontinant میں لکھتے ہیں:

''دورِ حاضر کے مصنفوں نے اکبر کے مذہبی خیالات کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے۔ بعض نے زیادہ تر بدایونی پر انحصار کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس نے اسلام کو بالکل ترک کر دیا اور ایک نئے مذہب کی بناڈالی۔ دوسروں کی رائے ہے کہ وہ مسلمان رہا اور مذہب اسلام سے اس کا تجاوز (Deviation) اہم نہ تھا۔ یہ صحیح ہے کہ بعض مصنفین نے بدایونی کے بیانات کو زیادہ وسیع مفہوم دیا ہے۔ اس کے لیے اس کے (مغربی) مترجمین ذمہ دار ہیں، بدایونی ایک ذہین اور چالاک اہلِ قلم تھا، اس میں اتنی قابلیت تھی کہ جو کچھ وہ کہے اس سے زیادہ سمجھا دے، اس کے کئی اندراجات ذو معنی ہیں اور ان کا ترجمہ بڑا مشکل ہے۔ جہاں ایسی صورت حال نہیں وہاں بھی اس کتاب کے (انگریزی) ترجمے درست نہیں اور کئی اہم الفاظ جن سے اس کے الزامی اندراجات میں کمی ہوتی ہے چھوڑ دیے گئے ہیں۔ بعض مصنّفین نے پرتگیزی پادریوں کے جن بیانات سے اپنی رائے کے لیے تائید حاصل کی ہے، ان بیانات کو غلط یا انتہائی طور پر مبالغہ آمیز کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے بعد ان لوگوں کی رائے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ اکبر نے اسلام سے تجاوز نہیں کیا، صحیح نہیں۔ یہ سچ ہے کہ جان بوجھ کر ترکِ اسلام (کا اظہار) بہت خفیف معلوم ہوتا ہے (It is true that of conscious abjuring of Islam there was very little)۔ اکبر کو یقین تھا کہ اسلام کا جو مفہوم اس کا تھا وہ ان علماء (کی ترجمانی) سے زیادہ معقول تھا، جن سے اس نے اختلاف کیا۔ عبداللہ خان ازبک کے نام خط میں جب اس نے ترکِ اسلام کے الزام پر احتجاج کیا تو غالباً اس کا اظہار دیانت دارانہ تھا۔ اس کا ذہن پیچیدہ (Complex) تھا اور اس کی اتنی تربیت نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے زاویہ ہائے نگاہ کے تناقض کو سمجھ سکتا۔ اس نے کئی ایسی چیزیں کیں،

بلکہ اس کے کئی معتقدات ایسے تھے جن سے معمولاً آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، مثلاً آفتاب کے لیے اس کی تعظیم عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال نہ تھا اور اس معاملہ میں وہ اس ذہنی انتشار کو شاید انتہائی صورت میں پیش کرتا ہے، جو کئی مسلمانوں میں پایا جاتا ہے''۔۲۷

عہدِ اکبری کے واقعات کے عینی شاہد کئی تھے۔۲۸ جن میں سے اکبر کی مذہبی تاریخ کی تفصیلات کے راوی صرف تین ہیں: ابوالفضل، بدایونی اور پرتگیز پادری۔ ان تینوں کا بیان ہے کہ وہ مسلمان نہ رہا اور وہ اسلام کا سخت دشمن تھا۔ بلکہ پرتگیز نے یہاں تک کہا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ ملک میں کوئی نئی مسجد تعمیر نہ ہو اور کوئی قدیم مسجد، جو خستہ ہوگئی ہو، اس کی مرمت بھی نہ کی جائے۔حکومت کے آخری ایام میں لاہور شہر میں کوئی مسجد نہیں بنائی گئی اور مسجدوں کو اصطبل بنادیا گیا تھا۔۲۹ جب کہ ایک اور پرتگیز نے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لیے یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر نے عیسائیت قبول کرنے کے لیے ایک کے سوا سب بیویاں اپنے درباریوں میں تقسیم کردیں اور پرتگیز پادری سے وعدہ کیا کہ میں حج کے بہانے گوا آؤں گا اور وہاں عیسائی ہوجاؤں گا۔ اس کے برخلاف ہمیں اس کی بھی دلیل مل جاتی ہے کہ اکبر جب کابل کے سفر پر جارہا تھا تو پرتگیز مشنری ساتھ تھے۔ اسی درمیان اکبر اور ابوالفضل نے انجیل پر کئی الٹے سیدھے اعتراضات کیے اور یہ بھی کہا کہ تم جو چیز انجیل میں ثابت کرتے ہو وہ قرآن مقدس میں بھی موجود ہے۔۳۰ جب یہ لوگ دارالخلافہ پہونچ گئے تو پادریوں سے مناظرہ ہوا اور اکبر نے علماء کی طرف سے انھیں لاجواب کردیا۔۳۱

اب دینِ الٰہی کے عناصر کو سامنے رکھا جائے اور مذکورہ تینوں مؤرخوں کے بیانات کا موازنہ کیا جائے تو سب میں اختلاف اور سوائے کذب و اتہام کے کچھ نہیں نظر آتا۔ کیوں کہ اکبر نے اس قسم کا کوئی نیا دین ایجاد نہیں کیا، البتہ جو طریقہ اختیار کیا وہ اسلام سے متصادم تھا اور پادریوں نے جو کچھ اکبر کے حوالے سے لکھا ہے وہ سراسر ایک الزام ہے۔ بادشاہ کے ایما پر نہ کوئی مسجد منہدم ہوئی اور نہ اس کے تقدس کو پامال کیا گیا۔

حالاں کہ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ بادشاہ نے اس کے بعد بھی کئی مسجدیں بنوائیں اور اس کی عقیدت اب بھی صحابۂ کرام سے باقی تھی۔ اسی سفر میں بادشاہ ایک مسجد کے قریب سے گذرا تو وہاں قیام کیا اور اس کی زیارت کی۔۳۲

اس سلسلے میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پرتگیز کے بیان کے مطابق مسجدوں کی تعمیر موقوف کردی گئی اور اس کی مرمت پر بھی پابندی لگادی گئی، مسجدوں کو اصطبل بنادیا گیا اور اکبر اسلام کا سخت دشمن ہوگیا۔ اگر اس کو نہ مانا جائے، تو پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ ۳۳ کے ان بیانات اور خطوط کی تردید ہوتی ہے جن میں انھوں نے تاسف کے ساتھ یہ وضاحت کی ہے کہ کفار برملا شعائرِ اسلام کی توہین کرتے ہیں، مسلمانوں کی جان و مال غیر محفوظ ہے، مسجدیں شہید کی جاتی ہیں، اسلامی احکام کی انجام دہی ممنوع قرار دی گئی ہے اور مسلمانوں کو دینی امور کی انجام دہی سے باز رکھا جاتا ہے۔ وغیرہ۔۳۴ اس کا جواب یہ ہے کہ مجدد الف ثانیؒ نے کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ سب چیزیں بادشاہ کے حکم یا اس کی خواہش پر انجام دی جاتی تھیں، بلکہ ان بیانات کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ چوں کہ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کش مکش جاری تھی، دہلی سلطنت کے آخری عہد اور اکبر کے ابتدائی حالات پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، پورے ملک میں چھوٹے بڑے راجا مہاراجہ حکومت کرتے تھے، مسلمان حکم راں ان لوگوں سے لڑتے بھڑتے اور پورے ملک کو مرکزی حکومت سے جوڑنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس افراتفری کا سب سے زیادہ اثر مسلمانوں پر پڑا اور وہ اسلام کا اعلان کروفر سے نہیں کرسکتے تھے، بلکہ مصلحت کے تحت بعض وقت وہ لوگ ہندوؤں کے رسم و رواج کو انجام دیتے اور اسے اپنی عملی زندگی میں بھی اختیار کرلیتے تھے۔

رہی بات دعوئ نبوت و پیغمبری کی تو اصل واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ اکبر نے ایسا کچھ نہیں کیا، بلکہ لوگوں نے اس کی طرف یہ بات غلط منسوب کردی ہے۔ یہ افواہ پھیلانے میں اس وقت کے ایک خاص طبقہ کا اہم رول رہا، کیوں کہ ان کے اختیارات و

امور کو بادشاہ نے چھین لیا تھا اور دین اسلام کی غلط نمائندگی کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا تھا۔ اس سلسلے میں شیخ اکرام کی کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اکبر نامہ کی ایک اور دل چسپ دستاویز اکبر کا وہ خط ہے جو اس نے اپنے خیالات کی توضیح میں ابو الفضل سے لکھوا کر عبد اللہ خان ازبک والیٔ ترکستان کو اگست ۱۵۸۶ء میں ارسال کیا، عبد اللہ خان نے اکبر کو ایک خط لکھا تھا کہ آپ کی نسبت پیغمبری بلکہ خدائی کے دعوے سننے میں آتے ہیں، اکبر نے جواب میں ایک طویل خط ارسال کر دیا جس کے دو مختلف مسودے اکبر نامہ اور انشائے ابو الفضل میں ہیں۔ اس خط میں بعض علمائے دربار کی شکایت کی ہے کہ وہ نہ صرف عقل و خرد سے خالی تھے، بلکہ کلام مجید کی غلط ترجمانی کرتے تھے اور اس کی بنا پر شاہی اختیارات میں شرکت چاہتے تھے (و فرمان آسمانی و نامۂ جاودانی را کہ فرستادۂ خدا و رسانیدہ پیغمبر است از شاہ راہ گردانیدہ برنگ دیگر وامے نمایندہ و مجملات نصوص را تاویلات و تسویلات نمودہ مے خواہند در فرماں روائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند) جب ان باتوں کی تحقیق اور اختلافی امور کی تفتیش کے دوران ظاہر بینوں [۳۵] کا پول کھلا اور وہ پایۂ اعتبار سے گر گئے تو انھوں نے حسد اور عداوت سے غلط افواہیں پھیلانی شروع کیں اور ہماری نسبت نبوت کے دعوے منسوب کیے۔ ورنہ کہاں بندۂ عاجز اور کہاں یہ دعوی''۔[۳۶]

اس سلسلہ کی بعض اور دلیلیں آگے بیان کی جائیں گی۔ یہاں اس امر پر بحث کرنی مناسب ہے کہ کیا واقعی بادشاہ نے نبوت کا دعوی کیا اور ایک نئے دین کی ایجاد کی تھی؟ اگر کیا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت پورے ملک میں بڑے بڑے علما، فقہا اور صوفیا بڑی تعداد میں موجود تھے، ان میں سوائے چند ایک کے، جن کو بادشاہ نے درباری مراعات سے محروم کر دیا تھا، کسی نے بادشاہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور نہ اس مذہبی معاملہ کو لے کر احتجاج کیا۔ اب تاریخ کے ہر دور پر نظر ڈالیے، دعویٔ نبوت کرنے والوں کے ساتھ لوگوں نے کیا سلوک کیا، مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا غلام

احمد قادیانی تک جس نے بھی ایسا کیا اس کا انجام برا ہوا۔ مسلمانوں نے تو سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے لوگوں تک کو برداشت نہیں کیا۔ اس طرح کے واقعات پر قیاس کر کے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ بادشاہ اکبر نے دعویٰ نبوت نہیں کیا، بلکہ اس نے اپنی جہالت اور لوگوں کے بہکاوے میں آکر کچھ اس طرح کے کام کیے جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھے اور ایسا ہر زمانے اور ہر عہد میں ہوتا رہا ہے، اکبر نے کچھ زیادہ ہی کیا، مگر ایسا کرتے وقت اس کے پیش نظر کچھ دوسری بات تھی، چناں چہ واقعات دارالحکومت دہلی کے مصنف نے لکھا ہے:

''اس اہم معاملہ پر چوں کہ بڑے بڑے مستند ارباب قلم فرسائی کر چکے ہیں، میرا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، لیکن ہرِ حق نگلا نہیں جاتا، انگریزوں نے اکبر کے مذہب کا خاکہ جیسا اڑایا ہے وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، مسلمان مؤرخین نے بھی اس بارے میں کچھ کمی نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے اقوال نقل کرنا بے سود ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اس سارے قضیۂ نامرضیہ کا لبِ لباب یہ ہے کہ اکبر ایک وسیع الخیال، بلند نظر، بالکل بے تعصب اور اعتدال پسند بادشاہ تھا اور اپنی تمام رعایا پر جا کو بلاقیدِ مذہب وملت یکساں دیکھتا تھا۔ وہ مذہبی رکاوٹوں کو دور کر کے سب کو ملا دینا چاہتا تھا، لیکن یہ بات فطرتِ الٰہی کے خلاف ہے، مذہبوں کا اختلاف تاقیامت رہے گا، دنیا میں چاہے لاکھوں مباحثے ہوں، مگر دین کی تفریق نہ مٹی ہے، نہ مٹے گی، اکبر ایسا نادان نہ تھا کہ وہ ایسی موٹی بات نہ سمجھتا ہو، پھر بھی وہ نیک نیتی سے اس مغایرت کو دور کرنے کی کوشش کرتا تھا جو ایک مذہب والے کو دوسرے سے ہوتی ہے کہ آپس میں کٹے مرتے ہیں اور اس مدعا کا حصول اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ وہ اعتدال کی پالیسی اختیار نہ کرتا اور اعتدال کی پالیسی جب ہی باور ہو سکتی ہے کہ ہم دوسرے مذہب والوں کا دل نہ دکھائیں۔ اکبر کی مذہبی پالیسی کا فیصلہ دو لفظوں میں ہے، مرنج و مرنجان اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔''[۳۷]

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی

چوتھی جلد میں اکبر کے حالاتِ زندگی اور مجدد الف ثانی کے حیات اور کارناموں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ انھوں نے اکبر کے رویّہ پر بڑی کاری ضرب لگائی ہے اور اس کے کردار و افعال کو اسلام کے منافی ٹھہرایا ہے اور اس سے اسلام کے وقار کو مجروح قرار دیا ہے، مگر اس بحث میں مولانا نے بڑا معتدل رویہ اپنایا ہے۔ انھوں نے کسی جگہ یہ نہیں تحریر کیا ہے کہ اکبر نے دینِ الٰہی کے نام سے کوئی نیا مذہب ایجاد کیا تھا۔ بلکہ اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اسے مولانا نے تفصیل سے بیان کردیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ لوگ اکبر سے دینِ الٰہی منسوب کریں۔ دراصل اکبر ایک سچے مذہب کا ماننے والا تھا جس کے دل میں صداقت اور حق کی آگ لگی ہوئی تھی، مگر وہ امرِ حق کی تلاش وجستجو میں گم راہی کے دہانے پر پہنچ گیا، اس میں اس کا اتنا قصور نہیں ہے جتنا کہ علمائے دربار کا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بالکل درست لکھا ہے:

''سچ یہ ہے کہ عہدِ اکبری کے تمام فتنہ وفساد کے اصلی ذمہ دار یہی علمائے عبید الدنیا ہیں، نہ کہ ابوالفضل وفیضی، حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اسی عہد کی نسبت اپنے مکاتیب میں بار بار لکھتے ہیں: ''ہر فتوے کے دریں زمان در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علمائے سوء است کہ فی الحقیقت اشرار مردم ولصوص دین اند'' ۳۸؎ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔المجادلہ: ۱۹ (وہی لوگ شیطان کی ٹولی ہیں، اور یاد رکھو شیطان کی ٹولی ہی نقصان اٹھانے والی ہے)۔ اکبر نے تمام حاملینِ مذہب کا یہ حال دیکھا تو سرے سے مذہب ہی کو خیر باد کہہ دینا چاہا۔ خود ابوالفضل اور فیضی ۳۹؎ کو بھی انھی لوگوں نے اپنی ہوا پرستیوں اور ظلم وعدوان کے نمونے دکھلا کر اس طریقہ میں آنے کی دعوت دی تھی، جس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر وہ خود بھی متاسف ہوتے ہوں گے کہ مقصود کیا تھا اور کیا سے کیا ہوگیا؟ انھوں نے علماءِ سوء کے غرور و پندار کا بت توڑنے کے لیے ایک دوسرا بت تیار کیا، جس کا نام اکبر تھا، لیکن آگے چل کر خود اسی بت کی پرستش شروع ہوگئی۔ فیضی نے اگر علمائے وقت کی نسبت یہ کہا تھا تو کیا غلط کہا تھا؟

زبان کشیدہ بدار القضائے عُجب وریا — شہود کذب ز دعویٰ گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہاں ایں است — ہزار خندۂ کفر است بر مسلمانی'' ۴۰ؔ

واقعہ یہ ہے کہ اکبر ابتدائی عمر سے ہی مذہب پرست تھا اور دین سے اس کو خاصا لگاؤ تھا، ۴۱ؔ یہی چیز اکبر کے ابتدائی عہدِ حکومت میں نظر آتی ہے، بلکہ اس زمانے میں تو اس نے مذہبی علما پر اتنا اعتماد کیا کہ سلطنت کے بیش تر اہم امور ان کی تصویب پر ہی چھوڑ دیے تھے، جنھوں نے ان امور میں انصاف سے کام نہیں لیا اور اپنے مفاد کے پیشِ نظر دینی معاملات میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی تاویلیں غلط ڈھنگ سے کیں، اس وجہ سے بادشاہ علما سے بدظن ہوکر دین کے معاملہ میں شکوک وشبہات کرنے لگا، پھر ایک دوسرے گروہ نے اکبر کو دینی معاملات میں اس قدر گم راہ کیا کہ وہ دین اسلام کی حمایت کیا کرتا اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کیا کرتا اس نے سرے سے اسلام کو خیر باد کہہ دیا اور ایسے ایسے غلط امور انجام دیے جو ایک مسلمان بادشاہ کے لیے صحیح نہ تھے۔ ان کاموں کو لوگوں نے دین الٰہی کا نام دیا ہے، مگر درباری مورخین نے اسے دین رہ نمونی، روش، طریقہ اور بعد کے مورخین ''صلح کل'' کا نام دیتے ہیں۔ بدایونی نے ان اصطلاحات کے باوجود اسے گم راہ ٹھہرایا ہے، حالاں کہ خود بدایونی بادشاہ کی چاپلوسی کرنے میں ابوالفضل، فیضی اور دیگر مقربین بادشاہ سے آگے نہ تھے تو ان سے کم بھی نہ تھے۔ ۴۲ؔ انھوں نے عہدِ اکبری کی جو تاریخ لکھی وہ اتنا چھپ چھپا کر لکھی کہ سوائے اللہ اور بدایونی کے کسی کو اس کا علم نہ ہوسکا، یہی وجہ ہے کہ جب یہ کتاب منظرِ عام پر آئی تو جہاں گیر نے اس کو نذرِ آتش کروادیا۔ ۴۳ؔ

بہر حال اکبر کے حق میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مروجہ اسلام کے دائرے سے باہر آجانے کے بعد اس نے علی الاعلان خدا یا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کسی کو اپنا نیا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ۱۰۰۱ھ میں فیضی کے انتقال کے بعد اس نوساختہ دین کے دو بڑے ستون گر پڑے۔ ۱۰۰۷ھ میں ابوالفضل کو دکن کی مہمات پر بھیج دیا گیا تو دربار میں دین الٰہی کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں اور بقول جہاں گیر ابوالفضل کے خاتمے

(۱۰۱۱ھ) کے بعد اکبر کی بداعتقادی کا بھی خاتمہ ہوگیا اور وہ ایک پاک عقیدہ مسلمان کی طرح دنیا سے خدا کے حضور میں گیا۔ اگر چہ اکبر کی وفات کے ساتھ دین الٰہی کا خاتمہ ہوگیا، لیکن اس کی بدولت ملک کے اندر بے دینی اور بدعت کی جو رَو چل نکلی تھی وہ دورِ جہاں گیری میں بھی ایک عرصے تک جاری رہی۔ اس کے خلاف راسخ العقیدہ مسلمانوں کی طرف سے نہایت شدید ردِّ عمل کا اظہار ہوا جس کی نمائندگی نقشبندیہ تصوف میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اور علوم دینیہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ [۴۵] نے کی۔ [۴۶]

جن لوگوں نے اکبر کی اس بے دینی کو 'صلح کل' کا نام دیا ہے، وہ بھی اس مسئلہ کو اچھی طرح نہ سمجھ سکے، دراصل صلح کل کی پالیسی اکبر کے ابتدائی عہد حکومت سے ہی شروع ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے ابتدائی عہد حکومت سے ہندو مسلم درباری رکن اور عہدہ دار تھے جن کی مخالفت درباری عالموں نے بھی نہیں کی۔ مگر بعد میں اس نے اس صلح کل سے ہٹ کر ایک دوسری روش اختیار کی جو ایک مسلمان حکمراں کے لیے درست نہ تھی اور جس نے اسلام کو بہت نقصان پہونچایا۔ چنانچہ شیخ اکرام اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اکبر کے جن اقدامات نے مسلمانوں کو زیادہ دکھ پہونچایا اور جن کی بجاطور پر سخت مخالفت ہوئی وہ اس کے کوئی پندرہ سال بعد عمل میں آئے، اور وہ قواعد واحکام تھے جن کو 'دین الٰہی' کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کی بنیاد عبادت خانہ [۴۷] کی تلخ اور شرانگیز بحثوں میں رکھی گئی۔ ان کا نتیجہ ۱۵۷۹ء کا محضر [۴۸] تھا جس کے مطابق بعض حالات میں بادشاہ کو اختلافی مسائل کے فیصلے کا اختیار دیا گیا۔ خوشامدیوں نے کہنا شروع کیا کہ پرانی پیشین گویوں کے مطابق اختلافوں کے مٹنے کا وقت آگیا ہے۔ دکن میں ایک بادشاہ نے 'جگت گورو' کا لقب اختیار کیا۔ اکبر نے بھی، جو زیادہ اختیارات اپنے پاس چاہتا تھا، دنیوی حکومت کے ساتھ دینی راہ نمائی کے میدان میں قدم رکھا اور مریدوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جن کے آئین وطریقے مختلف مذہبوں سے جمع کیے گئے تھے اور جنھیں بعد کے مورخین نے 'دینِ الٰہی' کا نام دیا۔ ایک مسلمان بادشاہ کی طرف سے یہ اقدامات

مسلمانوں کو سخت ناپسند تھے، لیکن ان کا طریق صلح کل سے، جس کی جہاں گیر اتنی تعریف کرتا ہے، کوئی تعلق نہ تھا اور فی الحقیقت ایک حاکم کا ایک خاص سلسلہ کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک کرنا اور اسے ایک خاص درجہ دینا طریقِ صلح کل کی خلاف ورزی ہے۔"[۴۹]

اکبر کے مذہبی معتقدات کے سلسلے میں اربابِ قلم اور دانش وروں نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ یہ بات صحیح ہے کہ وہ 'صلح کل' کا پیام بر تھا اور اس کے ذریعہ اس نے مغلیہ حکومت کو استحکام بخشنے کی کوشش کی۔ یہ پالیسی ابتداء عہدِ حکومت سے شروع ہو جاتی ہے، اس کا اس کی بے دینی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کی پالیسی دوسرے مسلم سلاطین کے عہد میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، البتہ اکبر نے اس میں زیادہ ہی غلو کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اکبر نے ایسے بہت سے کام کیے جو سراسر اسلام کے منافی تھے، مگر اس کا ذمہ دار ہم پوری طرح صرف اس کو نہیں ٹھہرا سکتے، وہ ایک عام آدمی کی طرح تھا، جس کو نوشت و خواند سے پوری طرح واقفیت نہ تھی، اس کا ذہن کورے کاغذ کی طرح تھا، علمائے دربار نے اس پر غلط یا صحیح جو کچھ لکھ دیا وہ نقش کالحجر ہو گیا۔ اگر معاصر علما اختلاف کا شکار نہ ہوتے اور اسلام کی نمائندگی ٹھیک طرح کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ باوجود اس خامی کے اکبر کی حکومت ایک مستحکم حکومت تھی، اس حکومت میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور اسلامی علوم و فنون کو کافی عروج حاصل ہوا، اس کے بعد اس سلسلے کو اس کے جانشینوں نے آگے بڑھایا، جس کی وجہ سے آج بھی مغلیہ حکومت کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں اور اس میں اکبر کا نام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ دراصل اکبر نے محسوس کیا کہ کثیر التعداد ہندوؤں کو قرآن کے زیر اطاعت نہیں رکھا جا سکتا، اس کے لیے اس نے ایک اور ناپسندیدہ طریقہ تلاش کیا، اس لیے سنی مسلمان برہم ہو گئے اور انھوں نے جہاں گیر کو اکبر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تو وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ جہاں گیر اپنے باپ کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ انھوں نے بت شکنی کو حکماً بند کر دیا، جب میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ ملک کی پانچ حصہ آبادی ہندوؤں اور غیر مسلموں کی ہے، اگر میں ایسا نہ کروں تو اس کا مطلب ہوگا

کہ میں اپنی رعایا کو تہہ تیغ کرادوں۔۵۰؎ اکبر اور جہاں گیر کی گفتگو سے اس کا نقطہ نظر سمجھا جاسکتا ہے۔ صحیح بات یہ کہ وہ اسلام کے موقف سے بے خبر تھا۔ اسلام نہ تو غیر مسلم رعایا کو تہہ تیغ کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرتا ہے۔ وہ ان کی پوری پوری حفاظت کرتا اور انھیں مذہبی آزادی عطا کرتا ہے۔

آخر میں ہم اپنی گفتگو سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتاب کے ایک اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔ وہ اکبر کے 'دینِ الٰہی' اور بدایونی کے بادشاہ اور علماء کے سلسلے میں بیانات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اکبر روادارانہ میل جول کا سب سے بڑا علم بردار سمجھا جاتا ہے، ملا مبارک ناگوری کی ساری مجتہدانہ قوتیں اس کی حمایت میں صرف ہوئیں، ابوالفضل نے اپنی انشا پردازی کا سارا کمال بھی اکبر کو اکبر اعظم بنانے میں دکھایا، لیکن ملا عبدالقادر نے اس کے خلاف اپنی تحریروں سے فضا پیدا کردی اور اس سے اکبر پر بہتر سے بہتر کتابیں لکھنے کے باوجود مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کے دلوں میں اس کے خلاف جو آزردگی بلکہ اسلام دشمنی کی کدورت پیدا ہوگی تھی وہ آج تک دور نہیں ہوئی اور یہ طبقہ اب کچھ اکبر سے اس لیے مطمئن نظر آتا ہے کہ نئی تحقیقات سے ثابت کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے مذہبی خیالات سے تائب ہوکر آخر وقت میں ایک سچا مسلمان ہوگیا تھا اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوا، لیکن پھر بھی وہ اکبر کو عالم گیر پر ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں، حالاں کہ عالم گیر کی مخالفت میں تاریخی لٹریچر کا بڑا ڈھیر لگادیا گیا ہے۔۵۱؎

حواشی و مراجع

۱؎ اکبر بن ہمایوں حمیدہ بیگم کے بطن سے بمقام امرکوٹ ۱۵۴۳ء/۹۴۹ھ میں پیدا ہوا، وہ شروع سے ہی پڑھنے لکھنے سے جی چرانے لگا تھا، اور اس کی دل چسپی کھیل وتفریح اور ملکی سیاست میں مرکوز ہوگئی تھی، ۱۵۵۶ء میں ہمایوں کی موت کے بعد تخت سلطنت پر متمکن ہوا، اس وقت اس کی عمر تیرہ سال نو ماہ کی تھی۔ اس کی وفات ۱۶۰۵ء میں ہوئی۔ (تفصیلی مطالعہ

کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ ہندو شاہ، اردو ترجمہ از عبدالحی خواجہ، مکتبہ ملت دیوبند، ۱۹۸۳، ج:۱، ص:۷۳۱-۶۸۰)

۲؎ دینِ الٰہی کے عناصرِ ترکیبی میں ان امور کو شامل گیا گیا ہے جو عین اسلام کی ضد ہیں، مثلاً زکوٰۃ و جزیہ کو ختم کر دیا گیا، شراب اور جوئے کو جائز قرار دیا گیا، ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت کردی گئی، سن ہجری کو موقوف کر دیا گیا، ملائکہ، بعث بعد الموت، وحی اور رسالت کا انکار کر دیا گیا، بادشاہ کے سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار دیا گیا۔ چچا زاد بھائی اور بہن کے درمیان مناکحت کو ممنوع کر دیا گیا وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی، مرتبہ احمد علی و ولیم ناسولیس، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۵ء، ج:۲، ص:۳۰۶-۳۰۵۔ دربار اکبری، مولوی محمد حسین آزاد، مکتبہ کلیاں لکھنو، ۱۹۱۰ء، دولۃ المغول فی الہند، یوسف کوکن عمری، مدراس، ۱۹۸۷ء، ص: ۵۳۔ Muslim rule in India, Vidya Dhar Mahajan, S.Chand & Com.Delhi, 1965. Part IInd P:104 دینِ الٰہی اور اس کا پسِ منظر، پروفیسر محمد اسلم، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۹ء، ص:۱۵۶-۹۱۔

۳؎ ملا عبد القادر بدایونی قصبہ تھونڈہ، قدیم ریاست جے پور ۱۵۴۰ء/۹۴۷ھ میں پیدا ہوئے، ۱۵۵۹ء میں وہ اپنے والد ملوک شاہ کے ساتھ آگرہ آئے اور شیخ مبارک ناگوری سے تعلیم حاصل کی، ۱۵۷۴ء میں اکبر کے دربار میں پہونچے اور دربار کی مسجد کے امام مقرر ہوئے، ان کی وفات ۱۶۱۰ء میں ہوئی۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی کتاب منتخب التواریخ تاریخ کی اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ انھوں نے مہا بھارت کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ (ملاحظہ کیجیے اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۹ء، ج:۴، ص:۱۴۴-۱۴۳) تذکرہ علمائے ہند، رحمٰن علی، لکھنو، ۱۹۱۴ء، ص: ۱۳۰۔

۴؎ ابو الفضل بن شیخ مبارک ناگوری ۶ رمحرم ۹۵۸ھ/۱۴رجنوری ۱۵۵۱ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے، پندرہ سال کی عمر میں معقول و منقول سے فارغ ہوگئے، جب ان کے بڑے بھائی فیضی دربارِ اکبری میں پہونچے تو حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ یہ بھی ۹۸۱ھ/۱۵۷۴ء میں اکبر کی خدمت میں پیش کیے گئے، بتدریج وہ اکبر کے خاص معتمد علیہ بن گئے، دین الٰہی کی تشکیل اور تنفیذ میں اس خاندان کا بہت ہاتھ تھا، دکن کی ایک مہم سے واپس آرہے تھے کہ انھیں راستے میں قتل کر دیا گیا، (۴ رربیع الاول ۱۰۱۱ھ/۱۲راگست ۱۶۰۲ء) ابو الفضل بڑے پایہ کے مصنف

تھے، ان کا اکبر نامہ مع آئین اکبری اس عہد کی تاریخ کا بیش بہا ماخذ ہے، اس کے علاوہ عیار دانش، انشائے ابو الفضل (مکتوبات) ان کی معروف تصانیف ہیں۔ (تذکرہ، مولانا ابو الکلام آزاد، مرتب مالک رام، ساہتیہ اکادمی دہلی، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۶۲-۳۶۳)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: آئین اکبری، ابو الفضل، مترجم مولوی محمد فدا علی طالب۔ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ج:۲، ص: ۳۸۹-۴۲۶۔ طبقاتِ اکبری، نظام الدین احمد، کلکتہ، ۱۹۱۳ء، ج:۲، ص: ۴۵۸۔ مآثر الامرا، شہنواز خاں، مرتب اشرف علی و عبدالرحیم، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، ج:۲، ص: ۶۰۸-۶۲۲۔ تذکرہ علمائے ہند، ص: ۴-۵۔ نزہۃ الخواطر، سید عبد الحی الحسنی، حیدر آباد، ۱۹۴۷ء، ج: ۵، ص: ۲۴-۲۶۔ دربار اکبری، ص: ۵۲۱-۵۸۴۔

۵ آئین اکبری، ج:۲، ص: ۳۱۵، ح:۲۔

۶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "منتخب التواریخ" ج: ۲، ص: ۳۳۰-۲۵۵

۷ ایضاً

۸ فرشتہ کا نام ملا محمد قاسم ہندو شاہ ہے، ۱۵۵۲ء میں اپنے آبائی وطن استر آباد میں پیدا ہوا۔ بچپن میں احمد آباد آ گیا، وہیں اس نے تعلیم حاصل کی۔ ۱۵۶۰ء میں بیجا پور میں ابراہیم عادل ثانی کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہیں اس نے سب سے پہلے "اختیاراتِ قاسمی" کے نام سے طب کے موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ ابراہیم عادل شاہ کو جب علم تاریخ سے فرشتہ کی دلچسپی کا حال معلوم ہوا تو اس نے اسے ہندوستان میں اسلامی عہد حکومت کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ فرشتہ نے یہ تاریخ ۱۶۰۶ء میں لکھنی شروع کی اور پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد اسے مکمل کر لیا۔ فرشتہ کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ (تفصیل کے ملاحظہ ہو: تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ، دیباچہ مترجم اور مولف کتاب کا ابتدائیہ، ج:۱، ص: ۴۴-۴۵۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ج: ۱۵، ص: ۲۷۰-۲۶۵۔

۹ شیخ نور الحق محدث شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے بڑے صاحب زادے تھے، عہدِ شاہ جہانی میں آگرہ میں قاضی رہے، صاحب تصنیف ہیں، بانوے سال کی عمر میں ۱۰۷۳ھ/ ۱۶۳۲-۱۶۳۳ء میں انتقال کیا۔ (تذکرہ، ص: ۴۷۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر، ج: ۵، ص: ۴۲۴-۴۲۵۔ ابجد العلوم، صدیق حسن خاں قنوجی، بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ص: ۹۰۱۔ حدائق الحنفیہ، فقیر محمد دیلمی، نول کشور لکھنو، ۱۸۸۶ء، ص: ۱۴۸۔ اتحاف النبلا المتقین باحیاء مآثر

فقہاء المحدثین، صدیق حسن خاں، کانپور، ۱۲۹۰ھ، ص:۴۲۶-۴۲۷۔ مآثر الکرام، میر غلام علی آزاد بلگرامی، مرتبہ عبداللہ خاں، آگرہ، ۱۹۱۰ء، ص:۲۰۱-۲۰۲۔

۱۰ جہاں گیر سلطنتِ مغلیہ کا چوتھا حکمراں اور شہنشاہ اکبر کا بیٹا تھا، ۱۵۶۹ء میں پیدا ہوا، اکبر کو شیخ سلیم چشتیؒ سے بڑی عقیدت تھی، اس لیے انہی کے نام پر اس نے اس کا نام سلیم رکھا، شیخ کا جب انتقال ہوگیا تو اکبر نے انہی کے مکان سے قریب ایک عالی شان عمارت بنوائی اور اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ یہ فتح پور سیکری میں واقع ہے۔ اکبر کے انتقال کے بعد ۱۶۰۵ء/ ۱۰۱۴ھ میں جہاں گیر تخت نشیں ہوا۔ (ہندوستان کے مسلمان حکم رانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، سید صباح الدین عبد الرحمٰن، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء، ص: ۵۳)۔ منتخب التواریخ، ص:۲، ص: ۱۰۸-۱۰۵-۱۲۰۔

۱۱ منتخب اللباب، ہاشم علی (خافی خاں نظام الملک) مترجم محمود احمد فاروقی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۳ء، ج:۱، ص:۲۲۰۔

۱۲ ایضاً، ج:۱، ص:۲۱۹۔

۱۳ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ، شمس الدین محمد اتگہ خاں (خان اعظم) کا بیٹا، اکبر نے اس کی ماں جی جی اتگہ کا دودھ پیا تھا اور دونوں کی پرورش ایک ساتھ ہوئی تھی۔ ۱۰۳۳ھ/ ۱۶۲۳-۱۶۲۴ء میں احمد آباد میں رحلت کی۔ شعر بھی کہتے تھے۔ (تذکرہ، ص: ۳۵۸) تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: منتخب التواریخ، ج:۲، ص:۳۰۰-۳۰۱۔ طبقات اکبری، ج:۲، ص: ۱۴۸۔ دربار اکبری، ص:۲۸۳-۳۱۸۔

۱۴ منتخب اللباب، ج:۱، ص:۲۲۴-۲۲۳

۱۵ بحوالہ رودکوثر، شیخ محمد اکرام، ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی، ۱۹۹۸ء، ص:۱۲۸

۱۶ ایضاً، ص:۱۲۹-۱۲۸

۱۷ مثلاً اکبر نے امیر (جے پور) اور بیکانیر کے راجاؤں کی لڑکیوں سے شادی کی تھی۔ مورخین نے جودھا بائی کا بھی نام لیا ہے، جو جودھا پور کی رانی تھی، مگر اس میں اختلاف ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۰ء، ج:۴، ص:۱۰۷۔ واقعات دارالحکومت کے مصنف نے جودھا بائی کو سلیم کی بیوی بتایا ہے۔ (واقعات دارالحکومت دہلی، بشیرالدین، شمسی مشیر پریس آگرہ، ۱۹۱۹ء، ج:۱، ص: ۳۳۵۔

۱۸؎ ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۴ء، ص:۶۴

۱۹؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، منتخب التواریخ ، ج:۲،ص: ۲۶۲-۲۶۰۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاں، ج:۱،ص:۲۸-۲۹۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۴،ص:۱۰۷

۲۰؎ بیربل اکبر کے نورتن میں سے تھا، اس کا اصل نام مہیش داس تھا، ۱۵۲۸ء میں پیدا ہوا، اپنی ظرافت طبع کی خوبی سے اکبر کے دربار سے جڑ گیا اور بتدریج اس کے کے قریب ہوتا گیا، یہاں تک کہ مقربین خاص میں شامل ہوگیا، اس کے لطائف وظرائف آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں، بادشاہ نے اسے دوہزاری منصب عطا کیا تھا، ۱۵۸۶ء میں اس کا انتقال ہوا۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : Muslim rule in India. 2nd Part P.121۔ واقعات دارالحکومت دہلی، ج:۱،ص:۱۳۷)

۲۱؎ راجہ بھگوان داس امبیر کے راجہ بہاری مل کا لڑکا تھا اور اکبر کی بیوی مریم زمانی کا بھائی، اکبر نے اس کو پنج ہزاری کا منصب عطا کیا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: Muslim rule in India. 11nd Part P.121 ۔ واقعات دارالحکومت دہلی، ج:۱،ص: ۳۳۷)۔ دولۃ المغول فی الہند،ص:۹۸

۲۲؎ منتخب التواریخ، ج:۲،ص:۳۱۳

۲۳؎ راجہ مان سنگھ راجہ بھگونت کا لڑکا اور ایک بڑا سپہ سالار تھا، اس نے بادشاہ کی طرف سے بڑے بڑے جنگی معرکے سر کیے، اس کی وفات ۱۵۹۷ء میں ہوئی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منتخب التواریخ، ج:۲،ص:۳۶۴۔

۲۴؎ ایضاً، ج:۲،ص:۳۶۴ ۲۵؎ ایضاً، ج:۳،ص:۹۲

۲۶؎ ایضاً۔

۲۷؎ The Muslim Community of the Indo Pakistan Subcontinant P:144-145 بحوالہ رودکوثر ،ص:۱۳۲-۱۳۳

۲۸؎ مثلاً نظام خاں بدخشی (مصنف طبقات اکبری)، ابوالفضل (مصنف اکبرنامہ وآئین اکبری)، ملاعبدالقادر بدایونی (مصنف منتخب التواریخ)، اسد بیگ (مصنف اکبرنامہ)، شیخ عبد الحق محدث (مصنف تاریخ حقی)، نورالحق دہلوی (مصنف زبدۃ التواریخ) اور پرتگیز پادری۔

۲۹ رودکوثر، ص:۱۱۲ ۳۰ ایضاً، ص:۱۱۶

۳۱ ایضاً۔ ۳۲ ایضاً۔

۳۳ شیخ احمد سرہندیؒ، مجدد الف ثانی کے لقب سے مشرف، شوال ۹۷۱ھ/مئی جون ۱۵۶۴ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ سترہ برس کی عمر میں علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم مختلف اساتذۂ عصر سے مکمل کی، اس کے بعد درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور بیعت وارشاد میں مشغول ہوگئے، یہ زمانہ جہاں گیر کی حکم رانی کا ہے، لوگوں نے ان کے خلاف اس کے کان بھرے، جہاں گیر نے انھیں دربار میں طلب کیا اور بالآخر گوالیار کے قلعے میں قید کردیا، تین برس (صحیح ایک برس) کے بعد اس شرط پر رہائی ملی کہ لشکر کے ساتھ رہیں، چناں چہ آٹھ برس لشکرِ جہاں گیری کے ساتھ رہے، بعد میں شاہ جہاں نے جو ان کا معتقد تھا، اس سے آزادی دلائی، اس کے بعد وہ سرہند آگئے اور یہیں ۲۷ رصفر ۱۰۳۴ھ/ یکم نومبر ۱۶۲۴ء کو رحلت کی۔ مزار سرہند میں ہے، ان کی تصنیفات میں 'مکتوبات' بہت مشہور ہیں جو تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکے ہیں۔ (تذکرہ: ۳۶۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تذکرۂ علماء ہند، ص:۱۰-۱۲۔ سبحۃ المرجان، میر غلام علی آزاد بلگرامی، بمبئی، ۱۳۰۳ھ، ص: ۴۷-۵۲۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۰۳-۴۰۶۔ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص:۴۱۔ حیات مجدد، پروفیسر محمد فرمان، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۵۸ء، ص:۸-۱۔ روضۃ القیومہ، کمال الدین محمد احسان، اردو ترجمہ: ولی اللہ صدیقی، مطبوعہ فرید کوٹ پنجاب، ج:۱، ص:۱۳-۴۷۔ تصوف اور شریعت، ڈاکٹر عبد الحق انصاری، (اردو ترجمہ مفتی مشتاق تجاروی) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء، ص:۳۱-۳۳۔ سرمایۂ عمر، محمد اسلم، ندوۃ المصنفین، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص:۱۱۳-۱۳۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج:۱، ص:۲۴۹-۱۔

۳۴ مکتوبات امام ربانی، (مجدد الف ثانی) مرتب نور محمد، مطبع نور کمپنی، لاہور، ۱۳۸۴ھ، ج:۱، ص:۸۱-۱۶۲-۲۲۵، م:۴۷

۳۵ ظاہر بینوں سے مراد بالخصوص مخدوم الملک ملا محمد جون پوری اور صدر الصدور ملا عبد النبی ہیں۔ بادشاہ اپنے ابتدائی عہدِ حکومت میں ان دونوں کی بہت عزت اور قدر کرتا تھا، سلطنت کے دینی امور انھیں کے ذمہ تھے، مگر یہ دونوں آپس میں لڑتے بھڑتے اور ایک دوسرے کی تجہیل وتکفیر کرتے تھے، جس سے بادشاہ ان دونوں سے بہت بدظن ہوگیا، اور اسلام

کے بارے میں شکوک وشبہات میں پڑ گیا، یہاں تک کہ اسلام سے ہی پھر گیا۔

۳۶ رود کوثر، ص:۱۱۱ ۳۷ واقعات دار الحکومت دہلی، ج:۱، ص:۳۸۶

۳۸ ترجمہ: اس زمانہ میں ہر وہ فتویٰ جو دین وملت کی اشاعت کے لیے ظاہر ہوا، علماء سو کی بدبختی کی وجہ سے ہوا جو کہ درحقیقت بدترین لوگ اور دین کے لصوص ہیں۔

۳۹ شیخ ابو الفیض فیضی شیخ مبارک کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ وہ ۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷-۱۵۴۸ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے، تعلیم اپنے والد سے پائی۔ انھیں مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی، پورے قرآن کی تفسیر صنعت غیر منقوط میں ''سواطع الالہام'' کے نام سے قلم بند کی۔ رامائن، بھگوت گیتا اور لیلاوتی کا ترجمہ فارسی میں کیا، اکبر نے انھیں ملک الشعراء کا خطاب دیا تھا۔ ان کا دیوان 'طباشیر الصبح' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یکم صفر ۱۰۰۴ھ/ ۵/ اکتوبر ۱۵۹۵ء کو آگرہ میں وفات پائی۔ (تذکرہ، ص:۳۶۳-۳۶۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آئین اکبری، ج:۲، ص:۳۸۹-۴۲۶۔ منتخب التواریخ، ج:۳، ص:۲۹۹-۳۱۰۔ مآثر الکرام، ص:۱۹۸-۲۰۰۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص:۴۔ ابجد العلوم، ص:۸۹۷۔ مفتاح التواریخ، طاس ولیم بیل، نول کشور، لکھنو، ۱۸۶۷ء، ص:۲۰۰-۲۰۱۔ دربار اکبری، ص:۴۰۶-۴۷۳۔

۴۰ تذکرہ، ص:۴۲۔ ترجمہ یہ ہے: عجب وریا کے دار القضا میں زبان نکالے ہوئے، ایمان کے دعوے داروں سے جھوٹی گواہی، اگر دنیا میں اسلام کی حقیقت یہی ہے تو ایسی مسلمانی پر کفر کی ہزار خندہ زنی ہے۔

۴۱ اکبر شروع میں مذہب کا پابند تھا، نماز روزہ اور دینی امور کی بڑی پابندی کرتا تھا، نماز کا وقت ہوجانے پر کبھی کبھی اذان خود ہی دیتا تھا اور مسجد میں جھاڑو بھی اپنے ہاتھ سے لگاتا، حدیث کی سماعت کے لیے ملا عبد النبی کے گھر جاتا اور کبھی کبھی ان کی جوتی سیدھی کردیتا تھا، ملا ہی نے ایک تقریب میں بادشاہ کو بھرے دربار میں اپنے ڈنڈے سے مارا، مگر بادشاہ نے ان سے کچھ نہیں کہا، جمعہ کی پوری پوری رات علما اور مشائخ کی صحبت میں گزارتا، اہل اللہ سے عقیدت اور اس کے احترام میں ان کے روضہ پر کوسوں پاپیادہ چل کر حاضری دیتا اور وہاں فاتحہ پڑھتا اور نذر ونیاز چڑھاتا۔

۴۲ تفصیل کے لیے دیکھیے: دربار اکبری، ص:۴۷۳-۵۲۱

۴۳ منتخب اللباب، ج:۱، ص:۲۲۰۔

۴۴ شیخ مبارک ناگوری ایک یمنی الاصل خاندان کے چشم و چراغ تھے، جو آکر ریل (سندھ) میں بس گیا تھا، یہاں سے ان کے والد شیخ خضر نقلِ مکان کر کے ناگور (نزد اجمیر) چلے آئے، شیخ مبارک یہیں ناگور میں ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵-۱۵۰۶ء میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں بعض اساتذہ سے حاصل کی۔ پھر ناگور سے نکلے تو احمد آباد میں وہاں کے بعض مشہور علما سے استفادہ کیا۔ برسوں کے بعد ۱۵۵۱ء میں واپس وطن آئے، لیکن اب ناگور کے بجائے انھوں نے آگرہ (چار باغ) میں اقامت اختیار کی، شیخ کے دونوں بڑے بیٹے شیخ ابوالفیض فیضی اور شیخ ابوالفضل یہیں پیدا ہوئے۔ ملا مبارک اپنے خیالات و معتقدات میں بہت آزاد تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک فیضی اور ابوالفضل کو اکبر کے دربار میں عروج حاصل نہیں ہوا، ملا مبارک مذہبی حلقوں اور ان کے زیر اثر اہل اقتدار کا تختۂ مشق بنے رہے، جب یہ اکبر کے مصاحبوں میں شامل ہوئے تو انھیں چین کا سانس لینا نصیب ہوا، بلکہ ان کا عروج شروع ہوا۔ اکبر کے مذہبی خیالات کی تشکیل میں شیخ مبارک (اور ان کے دونوں بیٹوں) کا بہت ہاتھ تھا۔ شیخ مبارک کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سب سے مشہور ان کی تفسیر ''منبع العیون المعانی و مطلع الشموس الثانی'' (چار جلدیں) ہے، نوے سال کی عمر میں ۱۷ ذی قعدہ ۱۰۰۱ھ/ ۴ دسمبر ۱۵۹۳ء کو انتقال کیا۔ (تذکرہ، ص: ۳۵۳ - ۳۵۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منتخب التواریخ، ج:۳، ص: ۷۳-۷۵۔ آئین اکبری، ص: ۲۴۳-۲۶۲۔ طبقات اکبری، ج:۲، ص:۴۷۲۔ مآثر الکرام، ص: ۱۹۷- ۱۹۸۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۳۹۴۔ تذکرۂ علمائے ہند، ص:۱۷۴۔ نزہتہ الخواطر، ج:۵، ص: ۳۲۰-۳۲۱۔ دربار اکبری، ص: ۳۷۰-۴۶۰۔

۴۵ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا خاندان سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں بخارا سے ہندوستان آیا، ان کے والد شیخ سیف الدین بن سعد اللہ تھے، شیخ عبدالحق محرم ۹۵۸ھ/ جنوری ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حفظ کیا اور علومِ متعارفہ میں مہارت حاصل کی۔ ۲۰-۲۲ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے، اس کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس کا مشغلہ رکھا، پھر ۹۹۶ھ/ ۱۵۸۷-۱۵۸۸ء میں وہ حجاز چلے گئے، تین برس تک وہاں کے علماء سے استفادہ کرنے کے بعد ۱۰۰۰ھ میں وطن واپس آئے، اس کے بعد مدۃ العمر ہندوستان میں علومِ دینیہ بالخصوص حدیثِ نبوی کی اشاعت میں گزار دی۔ اس ملک میں علمِ حدیث کی ترویج بہت حد تک انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے، مختلف موضوعات مثلاً تفسیر، تصوف، حدیث، فقہ، عقائد

وغیرہ سے متعلق کم وبیش ساٹھ کتابیں لکھیں، ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/ ۹رجون ۱۶۴۲ء کو انتقال کیا، (تذکرہ، ص: ۳۵۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تکملۂ اخبار الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۳۳۲ھ۔ اتحاف النبلا، ص: ۳۰۲-۳۰۵۔ حدائق الحنفیہ، ص: ۴۰۹-۴۱۲۔ منتخب التواریخ، ج:۳، ص: ۱۱۲-۱۱۷۔ تذکرہ علماء ہند، ص: ۱۰۹-۱۱۰۔ ابجد العلوم، ص: ۹۰۰-۹۰۱۔ مفتاح التواریخ، ص: ۲۴۶۔ نزہۃ الخواطر، ج:۵، ص: ۲۰۱-۲۱۰۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۵۳ء۔

۴۶ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء، ج:۹، ص: ۵۶۸۔

۴۷ یہ عمارت بادشاہ اکبر نے ۱۵۷۸ء/۹۸۳ھ میں فتح پوری سیکری میں بنوائی تھی، اس کے اندر بادشاہ متعین اوقات میں بیٹھتا اور علما بھی تشریف لاتے اور دینی مسائل پر بحث و تمحیص کی جاتی اور بادشاہ اس بحث سے مستفیض ہوتا۔

۴۸ محضر کی تفصیل بدایونی کی تاریخ جلد۲، ص:۲۷۱ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں اختصار ملاحظہ فرمائیں: ''خدا کے نزدیک سلطانِ عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معین کردیں اور اس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا فیصلہ قطعی اور اجتماعی قرار پائے گا اور رعایا اور برایا کے لیے اس کی پابندی حتمی و ناگزیر ہوگی۔'' تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۴، ص: ۱۰۹۔

۴۹ رودکوثر، ص: ۸۷

۵۰ اسلامیان ہند، خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۳ء، ج:۶، ص: ۲۸-۲۹

۵۱ ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص: ۵۴۔

☆☆☆